بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ایک مسلم خاتون کا کردار کیا ہونا چاہیے؟ مسئلہ صاف اور سادہ سا تھا مگر اس کی ڈوریاں بری طرح الجھ گئی ہیں۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اپنے خاص عقاید و اقدار اور اصول و احکام رکھتا ہے، لہٰذا جو بھی اسے قبول کرے گا ــــ خواہ وہ حاکم ہو یا شہری، اُستاد ہو یا شاگرد، دولت مند ہو یا غریب، مستاجر ہو یا اجیر، مرد ہو یا عورت ــــ اُس کا کردار دُنیا کے بنائے ہوئے مختلف معاشروں سے الگ اور امتیازی ہوگا۔ اگر یہ امتیازی تشخص نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کو ٹھیک طرح سمجھ کر اُس سے ہم آہنگی پیدا نہیں کی گئی۔ جو فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ سے منسوب ہونے کے باوجود غیر اسلامی تہذیب و معاشرت سے تمام آداب و اطوار لیتا ہے اور سرمستِ تقلید و مرعوبیت ہو جاتا ہے اور خود اس پوزیشن میں نہیں رہتا کہ وہ بیرونی دُنیا کو کچھ نئے انداز و اسالیب دے سکے تو یہ بڑے خسارے کا معاملہ ہے۔

شاید میری کوتاہ نظری ہوگی کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہماری ماڈرن خواتین اور ان کی تنظیم "اپوا" نے کبھی کسی مغربی طور طریقے کو خلافِ اسلام سمجھ کر اُس کے خلاف آواز اُٹھائی ہو، کبھی ایمانی اور اخلاقی لحاظ سے خواتین کی تربیت کے لیے کوئی خاص کلام کیا ہو، کبھی کسی خلافِ دین رواج یا تقریب یا ادارے کے خلاف احتجاجی قرارداد پاس کی ہو، کبھی اُن کا کوئی وفد اس

مقصد سے کسی حاکم سے ملا ہو کہ ہم فلاں اسلامی خدمت کرنا چاہتے ہیں، اس میں ہماری مدد کی جائے۔ کبھی پیش کش کی ہو کہ نماز یا زکوٰۃ یا کسی اور سلسلے میں جو اقدامات کیے جا رہے ہیں، ہم اُن کو کامیاب بنانے کے لیے اپنا تعاون پیش کرتے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فلم، ریڈیو یا ٹیلی وژن پر نسائیت کا کوئی گھٹیا روپ سامنے آنے پر یا سرمایہ کے زور سے خواتین کے چہروں، بدنوں اور جسموں کی خرید و فروخت پر اپوا کی بیگمات نے کوئی مظاہرہ کیا ہو۔

لے دے کے اپنی ملازمتوں کے مساویانہ حق اور اس حق کے ساتھ کسی طرح کی حدود و قیود کو مسترد کرنے پر اپوا تڑادیاں اُٹھ کھڑی ہوں تو معنی یہ ہوئے کہ جو ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے، اُس کا صرف اپنے مفاد کا پلڑا آپ بھرنا چاہتی ہیں، فرائض اور ذمہ داریوں اور پابندی حدود کا پلڑا چونتیس برس سے خالی ہے۔ ایسی ترازو کے ساتھ آپ سے کون عدل یا اعتدال کی اُمید رکھے گا۔

اس ملک میں بڑی لمبی دستوری جدوجہد ہوتی رہی، کبھی آپ نے اسلامی اصول دستور کے لیے کوئی آواز اُٹھائی؟ یہاں قرارداد مقاصد پاس ہوئی، آپ نے کوئی دلچسپی لی؟ یہاں لوگ آمریتوں تلے پستے رہے، کبھی آپ نے زخم کھانے والی قوم سے کوئی ہمدردی کی؟ یہاں فحاشی نے بارہا زور باندھا ــــ اور اس وقت بھی غیر ملکی عریاں تصاویر، کرایے کے گھٹیا ناولوں اور وی۔سی۔آر کے پیرائے میں بلیو فلموں کی وبا عام ہو رہی ہے، کبھی آپ نے عورتوں سے تعلق رکھنے والی اس تباہ کن مہم کا نوٹس لیا؟ دکانوں کے شوکیسوں میں جگہ جگہ عورتوں کے مجسمے سجے ہوتے ہیں۔ جن میں اُن کے قابل اخفا حصہ ہائے جسم کو اُبھارا گیا ہے، کبھی آپ نے محسوس کیا کہ یہ عورت کی توہین ہے اور اس لحاظ سے خود آپ کی تحقیر؟ اور پھر کیا کبھی کسی سے یہ مطالبہ کیا کہ عورت کا یہ ناجائز استعمال ختم کر دیا جائے؟

آپ کا سارا زور دو ہی باتوں پر ہے، ایک پردے بلکہ چادر دوپٹے کی پابندیاں نہ ہوں اور دوسرے مردوں کے ساتھ مخلوط تعلیم، مخلوط تقاریب، مخلوط دفتری زندگی اور دوسری سرگرمیوں میں

دوش بدوش ہوکر رہنے کا حق تسلیم کیا جائے۔ اور اس پر یہ بھی اصرار کہ یہ عین اسلامی اسلوب ہے اور قرآن اسی کی پشت پناہی کرتا ہے۔ اگر کوئی مفسر یا مولوی اس اجتہادی نقطۂ نظر کو نہ ملتے تو وہ ملّا ہے، (اور مغربی استعماریوں نے اس لفظ کو کودن اور احمق کے معنی کا جامہ پہنایا ہے) اُسے بولنے کا حق نہیں، خصوصاً ہمارے شوہروں کے زیرِ اہتمام چلنے والے ریڈیو اور ٹیلی وژن کے دروازے تو اُس کے لیے قطعاً بند ہونے چاہئیں۔ کاش کہ اپوا کی بیگمات میں یہ صلاحیت ہوتی کہ وہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر قرآن و حدیث کا درس دینے کا اجارہ سنبھال لیتیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن و حدیث کی دنیا میں داخل ہونے والے کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اگر وہ کسی ایک جگہ کوئی ٹیڑھی بات کر بھی لے تو آگے چل کر دوسری آیات و روایات اُس کا راستہ روک دیتی ہیں۔ قرآن کا یہ خاصہ ہے کہ جو اس سے ہم آہنگی کرے نہ کرے، اُسے وہ اُٹھا کے اپنی دنیا سے باہر پھینک دیتا ہے اور جو اس کے اندر رہنے پر اصرار کرے اُسے وہ آہستہ آہستہ اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ خصوصاً درس دینے والے لوگ تو اگر آیات کے ساتھ سامعین کے روبرو کھیلتے ہیں تو فوراً پکڑے جاتے ہیں۔ کوئی ادبیت اور لفاظی اُن کو نہیں بچا سکتی۔ پس بیگماتِ کرام! ہمت ہو تو ذرا قرآن سے معاملہ کر کے دیکھیے، یہ نہیں کہ ایک آدھ آیت یا اس کا کوئی حصہ لیا اور اس پر سارا اجتہاد کھڑا کر دیا۔ آخر یوں رائی سے پربت کب تک بنائے جاتے رہیں گے۔

ابتدائی سطور میں جو بات میں نے اجمالاً لکھی اُس کی قدرے وضاحت کرنا چاہتا ہوں — مسلم خواتین کی کسی پاکستانی تنظیم کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جہاں دورِ جمود کے اثرات اور ہندو معاشرت کی مسلط شدہ رسوم کو مٹانے کی فکر کرے، وہاں مغربی تہذیب کے ان فاسد اثرات سے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو نجات دلانے کی زیادہ سعی کرے جن کا نفوذ انگریزی اقتدار کے ساتھ شروع ہو کر حصولِ آزادی تک ہی خاصا زور پکڑ چکا تھا۔ اور اب تو ان فاسد اثرات کے برگ و بار بڑے زور شور سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اس ذمہ داری کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مسلم عورت کا کردار اس طرح پیش کیا جائے کہ جدید ملحدانہ تہذیب کے بنائے ہوئے معاشرے

کے تصورِ نسائیت سے ہمارا تصورِ نسائیت جداگانہ شکل میں ممیز ہو۔ ہم اصولوں میں اور تفصیلات میں راہِ حق سے ہٹی ہوئی دُنیا کو یہ بتا سکیں کہ ہم ایک مختلف قسم کے معاشرے اور ایک مختلف قسم کی تہذیب کے نمائندہ لوگ ہیں اور ہمارے تمہارے راستے ایک نہیں ہیں۔ یہ پست مقام مسلمانوں کا نہیں ہے کہ وہ اپنے دَور کے مقلد بن کر ہر شے اس سے قبول کرنے والے ہوں بلکہ "ید علیا" کے ساتھ اسے زیادہ بہتر اقدار دینے والے ہوں۔

بتایا جائے کہ آپ لوگوں نے دُنیا نے بے اسلام کو کیا پیغام اور کیا تحفہ نسائیت کے دائرے میں مہیا کیا ہے؟ اگر کچھ نہیں تو پھر آپ وقت کے طوفانی دریا کے تند ریلوں کی گرفت میں آکر بے بس ہیں کہ عالمی مروجات اور پروپیگنڈا جدھر آپ کو بہالے لیے جا رہا ہو۔ اُدھر اس نشہ آور تصور میں بہتی رہیں کہ ہم ترقی کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ وقت کے دھاروں میں بے اختیارانہ طور پر اس طرح بہنے اور غوطے کھانے والوں کے لیے اسلام کے پاس سرے سے کوئی دعوت اور کوئی پیغام اور کوئی حکم نہیں ہے۔ اسلام تو اُن لوگوں کو اپناتا ہے جو اسلامی غایات کے مطابق وقت کے دھارے کا رُخ بدلنے کے لیے مہم اُٹھا سکیں۔ اسی لیے وہ دین جہاد ہے ــــــ کلمۂ اوّل سے لے کر مرحلۂ آخر تک جہاد! جس کسی کو جہادِ اسلام کے مقاصد اور اُس کی تحریک کا شعور ہی نہ ہو، اُسے اس تکلف بے جا کی کیا ضرورت کہ وہ اسلام سے باہر کی باتیں چھیڑتے ہوئے بلا کسی شعور کے اسلام کا نام لے یا اُس کے بنیادی نوشتے کی کسی آیت کے کسی جز کو اُچھالے۔

اسلام آپ کے دفتر میں مہر لگانے والا کلرک نہیں ہے کہ جو چیز آپ کو پسند آجائے اور جو فیصلہ آپ کر لیں، آپ کا اشارۂ ابرو ہوتے ہی وہ اس پر کھٹ سے مہر لگا دے اور نہ لگائے تو آپ جلوس لے کر مظاہرہ کرنے چڑھ دوڑیں اور محبِ دین افراد کو مُلّا کہہ کر بُرا بھلا کہنا شروع کر دیں۔

یہ غلط کھیل بہت عرصے سے اپنے مختلف اذیت رساں مناظر دکھا چکا ہے۔ خدا را اب بساط سمیٹیے اور رغلبۂ دین کا کام کرنے والوں کو کام کرنے دیجیے۔ یہ کھیل جو معاشرے کی اکثریت کو ایمانی موقف سے ہٹانے میں ناکام ثابت ہوا ہے، اب ہر ذہین آدمی کو

برا معلوم ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا کرتب شروع کیجیے۔

مشکل یہ ہوئی کہ آپ لوگوں نے کسی ناپسندیدہ نقطۂ نظر پر دلائل سے بات کرنے کے بجائے ایجی ٹیشن اور دباؤ ڈالنے کا طریقہ اختیار کیا۔ ٹیلی وژن کے خلاف برسرِعام آپ کا مظاہرہ خلافِ قانون بھی تھا، اور یہ آپ کے غیر ذمہ دارانہ پن کا ثبوت ہے کہ آپ نے تعلیم یافتہ ہو کر بھی نہیں، انتظامیہ کے کارپردازوں کی بیگمات ہوتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی، جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جذبات قانون کی حدود کی پابندی قبول نہیں کر سکتے ــــ کجا کہ اسلام کے اُصول و احکام کی پابندی!

آپ نے ذہنوں کو بدلنے کی استدلالی محنت سے کام نہیں لیا۔ قرآن کی بات تھی تو آپ قرآن کی آیات سے مدد لیتیں۔ احکامِ رسالتؐ کا ذکر چلا تھا تو آپ اپنے حق میں سنّتِ نبویؐ اور احادیثِ پاک کو لاتیں۔ آپ حضورؐ کی تیار کردہ سوسائٹی کے ثابت شدہ معمولات کو اجاگر کرتیں، خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل اور خود امہات المومنینؓ اور صحابیاتِ محترمات کے قائم کردہ نمونوں کو پیش فرماتیں۔ اور آپ ائمہ فقہا کی علمی تحقیقاتوں سے تائید حاصل کرتیں، مگر آپ نے ایجی ٹیشن کے ذریعے حکومت کی جبری قوت کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ اس ایجی ٹیشن کی سربراہی ایک ایسی شخصیت نے کی جو ایک بڑے صاحب کی بیگم تھیں۔ اگر ایسا واقعہ دورِ فاروقی میں ہوتا تو خلیفۂ ثانی اپنی اہلیہ کے خلاف کارروائی کرتے اور اُسے حوالۂ عدالت کر کے سزا دلواتے۔

بڑے بڑے سرکاری عہدہ داروں کی بیگمات اور ان کی تنظیم نے ابھی تک تو کوئی ایک مثال بھی ایسی قائم نہیں کی کہ وہ معاشرے میں کسی خلافِ اسلام سرگرمی کو دیکھ کر ایجی ٹیشن کرتیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کی اعلیٰ خواتین کو اُس مقام تک بھی نہیں پہنچیں جہاں تک انڈیا کی مہیلائیں جا پہنچیں انہوں نے بازاروں میں عورتوں کی عریاں تصاویر اور فحاشی کے خلاف دلی میں ایجی ٹیشن کیا اور یہ صورت چند سال پہلے بھی وہاں عمل میں آ چکی ہے۔ اگر ہمارے ہاں کی بیگمات نے بھی کبھی ایسا کوئی ایجی ٹیشن کیا ہوتا تو اُن کا مقام اعتبار برتر ہوتا۔ اسلام سے آزاد ہو کر چلنے کے لیے تو اسلام کے

نام پر آواز اُٹھائی جاتی ہے، مگر اسلام کے احکام و حدود کی پابندی قبول کرنے کے لیے کوئی آواز ماڈرن حلقوں سے بلند نہیں ہوتی۔ یعنی آپ جو کچھ چاہیں اُس کی منظوری تو اسلام (نعوذ باللہ) بصد ادب دیتا رہے، لیکن اسلام جو تقاضے کرتا ہو، اُن کی آپ کچھ پروا نہ کریں، حالانکہ اسلام تو نام ہی اس کا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے ارشادات کے سامنے سرِ تسلیم بغیر کسی تحفظ کے خم کر دیا جائے۔

ایک اہم معاملہ اور بھی ایسا ہے جو بہت غور و توجہ چاہتا ہے۔

اس وقت پوری دُنیا میں، خصوصاً مسلم معاشروں میں ملحدانہ افکار و معاشرت کے خلاف اسلامی نظریہ و نظام کی علمبردار قوتوں کی تند و تیز کش مکش شروع ہو چکی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ آہستہ آہستہ فیصلہ کن مراحل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کشمکش میں اسلام کی تمام دشمن اور مخالف قوتیں —— وہ بڑی عالمی قوتیں ہوں، یا یہود و ہنود کی قوتیں —— پورا زور لگا رہی ہیں کہ مسلمان موجودہ تہذیبی سامراج کے چنگل سے نہ نکل سکیں۔ اس لڑائی میں ملحدانہ عالمی تہذیب کی پشتیبان قوتیں افکار، علوم، نصابیات، صحافت، عالمی نیوز ایجنسیوں کے نظام، فلم، تصاویر، ٹیلی وژن، ریڈیو، ثقافتی وفود، ایڈ اور پروپیگنڈے کے پورے وسائل کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے مُسلم معاشروں کے اندر جن عناصر کو مضبوط رکھنا چاہتی ہیں، اُن میں سے ایک مسلمانوں میں گھلا ملا لادینیت پسند طبقہ ہے اور دوسرے ماڈرن بیگمات۔

لادینیت پسند طبقے کا ایک حصہ حکومت و اختیار کی قوتوں اور انتظامی عہدوں کی قوت کو کام میں لاکر اور دوسرا حصہ ادب و صحافت اور دیگر ذرائع ابلاغ میں نفوذ کر کے اسلام کی پیش قدمی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ اسی مزاحم قوت کی وجہ سے اوّل تو اسلام کا نام گونجتے رہنے پر بھی کام کچھ نہیں ہو سکتا، کچھ کام ہو بھی تو اس میں ہزار رخنے پیدا ہوتے ہیں، یا پھر جو قدم اسلام کی راہ پر اُٹھتا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے کئی قدم اسلام کے خلاف عملاً اُٹھ جاتے ہیں۔ نتیجہ تضاد ہے۔ اس طرح عوام کے اسلامی جذبات کو تضاد کی چکی میں پیسا جا سکتا ہے اور پیسا

(باقی بر صفحہ ۵۵)